Al-Azhār

Volume 7, Issue 1 (Jan-June, 2021)

ISSN (Print): 2519-6707

Issue: http://www.al-azhaar.org/index.php/alazhar/article/view/49

URL: http://www.al-azhaar.org/index.php/alazhar/article/view/49

Article DOI: https://doi.org/ 10.46896/alazhr.v7i01.65

Title A Detailed Analysis of Armed and Religious System of Sasani Religion

Author (s): Rifatullah

Received on: 29 June, 2020
Accepted on: 29 May, 2021
Published on: 25 June, 2021

Citation: Rifatullah, "Construction: A Detailed Analysis of Armed and Religious System of Sasani Religion," Al-Azhār: 7 no, 1 (2021): 158-171

Publisher: The University of Agriculture Peshawar

Click here for more

ساسانی مذہب کے فوجی و مذہبی نظام کا ایک تفصیلی جائزہ

A Detailed Analysis of Armed and Religious System of Sasani Religion

* رفعت اللہ

Abstract

In the era of Sasani religion there was a very strong system of armed forces. It was considered among the best forces of its era as far as number of soldiers, ammunition and armed force are concerned. The Sasanis countered nations and empires because of these characteristics and they stood victorious in many battles.

In the era of Sasanis the best part of the army would be equipped and covered with all modern armory and would have rides with them in the shape of the best horses and other animals. The army officers would belong to best tribes and clans. During wars, the front infantry would bravely fight and would pave the path for the fellow soldiers to attack enemy with full force. It would depend on strength and courage of the soldiers. The mettle of their armor would shine create noise which would frighten the opponents in the battle field. The soldier of the front infantry would be covered in armor from top to toe and they would carry mettle and iron with them in a way that it would attach the armor strongly with the body. Their faces would also be covered so that hardly any arrow would touch their bodies. Only their eyes would be uncovered and from these holes they not only would see but breathe also.

There would be many segments and sections of the army and there would be a chief of every section. The commonder of the royal force was called Iran Aspahad. Chief of the front infantry was called I Aspahad. Chief of the cargo force was called Iran Ambaraka. In the present article an analysis of the armed and religious system of Sasani religion is offered.

Key words: *Sasani ,religion, infantry, armor, breathe*

---

* پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ مطالعات سیرت، جامعہ پشاور

تعارف

عہد ساسانی میں فوجی نظام نہایت منظم تھا۔ تعداد، اسلحہ اور قوت کے لحاظ سے اپنے عہد میں دنیا کی بہترین افواج میں شمار ہوتا تھا۔ انہی کی بدولت اقوام اور سلطنتوں کا مقابلہ کیا۔ اور کئ جنگی مہمات میں فتوحات حاصل کیں۔[1]

ساسانیوں کے عہد میں فوج کا عمدہ ترین حصہ زرہ پوش سواروں کا دستہ ہوتا جو اعلیٰ خاندانوں کے شہسواروں پر مشتمل ہوتا تھا۔ میدان جنگ میں رسالہ فوج کے سب سے آگے لڑتی۔ جنگ میں کامیابی رسالہ کی قوت اور اس کی بہادری پر منحصر رہتی تھی۔ یہ زرہ پوش سوار فوج اپنے زرہوں کی جھلملاہٹ سے مدمقابل دشمن کی آنکھوں کو خیرہ کردیتی تھی۔ یہ زرہ پوش سواروں کے دستے سرتاپاؤں لوہے سے ڈھکے ہوتے تھے۔ ان کے جسموں پر ایسے لوہے لگے ہوتے تھے کہ ان کے جسم کی حرکتوں کے ساتھ زر بکتر کا لباس خود مڑ جاتا تھا۔ چہرے کی حفاظت کے لیے بھی ایک نقاب بنا ہوتا۔ اس زرہ پوش لباس کی ساخت کچھ اس طرح تھی کہ کوئی تیر بمشکل جسم کو لگ سکے۔ صرف آنکھوں کے سامنے چھوٹے سوراخ بنے ہوتے تھے۔ جس میں سانس مشکل سے لیا جاتا۔[2]

فوج کے مختلف حصے اور شعبے ہوتے تھے۔ ان میں ہر حصہ اور شعبہ کا اپنا سربراہ ہوتا تھا۔ شاہی فوج کا کمانڈر انچیف کو "ایران اسپہد" کہتے تھے۔ رسالہ کے سردار کو "اسپہد" کہتے تھے۔ سامان رسد کے افسر اعلیٰ "ایران امبارکہ" یعنی ایران کے امبار کے افسر اعلیٰ کہتے تھے۔

نوشیروان نے فوجی تقاضوں کے لحاظ سے ملک کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا تھا۔

۱۔ اوختر جس کو باختر بھی کہا جاتا ہے۔ (شمال)

۲۔ خوراسان (مشرق)

۳۔ نمروز (جنوب)

۴۔ خوراوران (مغرب)[3]

منقسم حصوں کے حکمران اس کے کمانڈر ہوتے تھے۔ فوج کا سب سے اہم حصہ رسالہ ہوتا تھا۔ ایران شہسوار اپنی شجاعت، بہادری اور تیر اندازی میں بے مثل تھے۔ تیر کمان کے علاوہ ان کے پاس شمشیر، نیزہ اور کمند بھی ساتھ ہوتی۔[4] ان کے علاوہ ان کے پاس ہر طرح کا ہلکا۔ اور بھاری قسم کے ہتھیار ہوتے تھے۔ جس میں فوجی سواروں کے سر پر خود اور ان کا جسم زرہ بکتر سے ڈھکا ہوتا۔ جس سے گھوڑے بھی محفوظ ہوتے تھے۔ فوجی

سواروں کا لباس جسمانی حرکت کے مطابق ہوتا تھا۔[5]

ساسانیوں سے پہلے پیادہ فوج کی کوئی اہمیت نہ تھی وہ سوار فوج کی خدمت پر مامور تھی۔ ساسانیوں نے ان پیادہ فوج کو تیروں اور نیزوں سے مسلح کر دیا جو ضرورت کے وقت ان کے ساتھ مل کر لڑائی میں شامل ہو جاتے تھے۔ ان ہی کے عہد میں ہاتھیوں سے پہلی مرتبہ جنگ کا کام لیا گیا۔ اور ہاتھیوں کو جنگی لشکر میں شامل کر لیا۔ رسالے کے پیچھے ہاتھیوں کی لشکر ہوتی تھی ہاتھیوں کی خوفناک صورتیں مقابل کے گھوڑوں پر خوف کا باعث بن جاتی تھی۔[6]

ساسانیوں کی عسکری قوت ا۔ باقاعدہ فوج ۲۔ رضاکار فوج پر مشتمل تھا۔

ا۔ باقاعدہ فوج :

یہ فوج تنخواہ دار ہوتی تھی۔ وہ پورا سال سرحدی قلعوں کی حفاظت کے لئے چھاؤنیوں میں مقیم رہتی تھی۔

۲۔ رضاکار فوج: (پیادہ فوج)

یہ فوج لشکر کے پیچھے پیادہ فوج ہوتی تھی جسے پائگان کہتے تھے۔ یہ پائگان جاگیرداروں کے خادم ہوتے تھے۔ جو بغیر تنخواہ کے فوجی خدمات انجام دیتے تھے۔ دراصل یہ فوج جاگیرداروں کے کسانوں کا گروہ ہوتا تھا۔ جن سے فوجی خدمت لی جاتی تھی۔ ان کے اسلحے رومیوں کی اسلحوں کی طرح ہوتے تھے۔[7]

باقاعدہ فوج کی ترتیب یہ ہوتی:

فوج کے سب سے بڑے دستے کو گند کہتے تھے۔ اس کے کمانڈر کو "گند سالار" کہتے تھے۔ یہ گند پھر مزید چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم ہوتا تھا۔ جنہیں درفش کہتے۔ درفش پھر مزید منقسم ہو جاتے۔ ان چھوٹے چھوٹے حصوں کو وشت کہتے تھے ہر ایک درفش کے پہچان کے لئے اپنا جھنڈا ہوتا جس سے وہ پہچانا جاتا تھا۔[8]

ان جھنڈوں کی تفصیل یہ ہیں:

شاہی جھنڈے کا رنگ بنفشی ہوتا۔ جس میں نیچے سورج کی تصویر اور اوپر سنہری رنگ کی چاند بنی ہوتی۔ ایک جھنڈے پر شیر ببر جس کے پنجوں میں گرز اور تلوار پکڑے ہوئے بنی ہوتی تھی۔ ایک جھنڈے میں جو سیاہ رنگ کا ہوتا اس پر بھیڑ کی تصویر بنی ہوتی تھی۔ ایک جھنڈے پر شیر کی شکل ہوتی، ایک جھنڈے پر گورخر کی تصویر اور ایک جھنڈے پر ہفت سر اژدہوں کے تصاویر ہوتے۔[9]

ساسانیوں کا قومی جھنڈا:

یہ درفش کاوینی ساسانیوں کی قومی جھنڈا تھا جو چیتوں کے کھال کا بنا ہوتا۔ یہ بارہ (۱۲) ہاتھ لمبا اور آٹھ

ہاتھ چھوڑا ہوتا۔ ساسانیوں کے لئے درفش کاویٰ فتح ونصرت کی علامت تھی۔[10] اسی جھنڈے کے ساتھ ایرانی فوج کا سپہ سالار (کمانڈر انچیف) قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن تھا۔[11]

بادشاہ میدان جنگ میں:

فوج کا اہم حصہ رسالہ ہوتا تھا۔ رسالے کے فوجی نہایت تیر انداز اور بہادر ہوتے تھے۔ ایک فوجی کے پاس شمشیر نیزہ، اور کمند بھی ہوتی تھی۔ اگر بادشاہ بذات خود میدان جنگ میں حصہ لیتا تو جانثار فوجیوں کا یہ گروہ اس کے گرد حلقہ بنالیتا تھا۔[12]

جنگ کے موقع پر ملک کے مختلف صوبوں سے فوج جمع کی جاتی ان صوبوں کے مختلف فوجی عہدے ہوتے تھے۔ فوجی عہدیداروں کے نام یہ تھے۔

۱۔ ارتشتاران سالار (رئیسِ افواج)

۲۔ گند سالار (رئیس فوج)

۳۔ پیغانِ سالار (رئیس پیادگان)

۴۔ اَندرزَبد اسپ ورگان (استادِ سواران)

۵۔ اَرگبد (رئیس قلعہ)

۶۔ سَتُور پزِشک (ڈاکٹر حیوانات)

فوج چند گُند (فوج کا حصہ) ڈویژن اور ہر گُند چند دُرفش (دستہ) پر مشتمل ہوتا تھا۔[13] فوج کے سب سے بڑے عہدے کو ارگبند کہتے تھے۔ جس پر شاہی خاندان کا شخص ہی مقرر ہوتا تھا۔ سپہ سالار کو سپاہ بذ کہتے تھے۔ رسالہ فوج کے منتخب سواروں کے افسر کو درہر انیگاں خوازی کہلاتے تھے۔ یہ دستہ دس (۱۰) ہزار فوجی سواروں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور جانباز دستہ تھا۔ جس کو جان سپار کہلاتا۔ اور اس کے کمانڈر کو جان سپار بذ کہتے تھے۔ پیادہ فوج کو پائگان کہتے تھے اور اس کے کمانڈر کو پائگان سالار کہتے تھے۔[14]

میدان جنگ میں فوج کی حالت: رسالہ فوج سے آگے ہوتا جنگ کی کامیابی کا انحصار رسالہ کی قوت اور بہادری پر منحصر ہوتا تھا۔ رسالے کے پیچھے ہاتھیوں کا فوج ہوتا۔ جس کا مقصد صرف اور صرف دشمنوں کے گھوڑوں کو ڈرانا ہوتا تھا۔ دوران جنگ اگر خود ہاتھی ڈر کر بھاگتے تو مہاوت ہاتھی کی گردن کے مہروں میں چھرا بھونک کر اس کا کام تمام کردیتا تاکہ ہاتھی کے نقصان سے بچا جاسکے۔[15]

میدان جنگ میں رسالہ فوج کے دائیں جانب تیر انداز مقرر ہوتے تھے۔ تیر اندازوں کا دستہ میدان

جنگ میں ڈٹ کر مقابلہ نہ کرتا بلکہ جب معلوم ہوتا کہ کہ فوج شکست کھا کر پسپا ہو رہی ہے تو تیر اندازوں کا یہ دستہ نہایت تیزی سے پیچھے ہٹتا اور بھاگتے ہوئے دشمن پر ایسی تیر اندازی کرتا کہ پیچھے سے دشمن کے آنے کی ہمت نہ ہوتی۔ لشکر کے ساتھ ایک انجینئر بھی ہوتا جسے منجنیقی کہتے تھے۔[16]

رسالے کے پیچھے پیادہ فوج صف در صف چلتے ان کے عقب میں خوردونوش کے سامان لے جانے والے جانور ہوتے۔اور آخر میں چھکڑوں پر منجنیق ہوتے جسے اونٹوں اور گھوڑوں سے کھینچ کرلے جاتے تھے۔ لشکر کے ساتھ شفاخانہ کا اہتمام بھی ہوتا دواؤں کے ذخائر کو خچروں پر لدے ہوتے تھے۔[17]

بحری فوج:

ساسانیوں نے اپنی عہد میں بہترین بحری فوج کا اہتمام کیا۔ اردشیر اول نے اپنے عہد میں ''میسین ''اور ''خاراسین'' پر قبضہ کرلیاتو مفتوحہ علاقہ میں قدیم بندرگاہوں کو وسعت دی اور نئی بندرگاہیں بھی تعمیر کیں ۔بحری جہاز بھی بنائیں۔ ایرانی بیڑے نے رومی اور حبشی فوج کا مقابلہ کیا۔ جس سے آخرکار مشرقی سمندروں میں رومی بحری طاقت کا خاتمہ ہوا، اور ایرانیوں کو غلبہ مل گیا۔[18]

جنگ میں فوج کی اخلاقی حالت:

عہد ساسانی میں جنگ کے اخلاقی قوانین، محاربین کے حقوق و فرائض، عداوت میں ضبطِ نفس اور جنگ میں مخالف قوم وملک کے باشندوں پر کسی قسم کے رحم کا تصور ان کے ذہنوں میں موجود نہ تھا۔ جنگ کا تصور ان کے اذہان میں اس کے سوا کچھ نہ تھا، کہ مدمقابل قوم وریاست کے ساتھ شقاوت وسنگ دلی، وحشت وبربریت ،درندگی وسفاکی کا برتاؤ کیا جائے۔ حملہ کرکے مخالف قوم کے ہر فرد کو قتل کرنے کا سزاوار سمجھا جاتا تھا۔ بچے ،عورتیں، بوڑھے، زخمی، بیمار، راہب، زاہد، سب جنگ کے زد میں آتے اوران کو ہلاک کردیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ فصلوں اور باغات کو تباہ کرنا، عمارات کو مسمار کرنا، آبادیوں کو لوٹنا اور شہروں کو جلانا عام بات تھی۔ ساسانی حکمرانوں کے سامنے جنگ کا کوئی خاص مقصد نہ ہوتا تھا۔ یہ حکمران محض مخالف قوم کو نیچا دکھانے یا توسیع ریاست یا اپنی ذلیل نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے مخالف قوم پر چڑھائی کرلیتے تھے۔ خسرو پرویز نے نعمان بن منذر کی بیٹی کے حسن کی تعریف سنی تو اس نعمان بن منذر سے اپنی بیٹی کو زوجیت میں دینے کا حکم دیا۔ نعمان نے عربی غیرت کی وجہ سے انکار کردیا۔ خسرو پرویز نے حکم جاری کردیا کہ نعمان بن منذر کو گرفتار کرکے ان کی ریاست چھین لی جائے۔ نعمان بن منذر اپنے خاندان والوں کو بنی شیبان کے حوالے کرکے خسرو کے دربار میں معافی کے لیے حاضر ہوا۔ مگر پرویز نے اسے قتل کردیا اور افوج کو حکم دیا کہ بنی شیبان پر حملہ

کر کے نعمان بن منذر کے خاندان والوں کو لے آئے۔ چنانچہ ۴۰ چالیس ہزار کی زبردست ساسانی فوج ذُو قار کے مقام پر عربوں سے ٹکرائی جس میں دونوں جانب سے ہزاروں افراد قتل ہوئے۔ اس جنگ میں ایک حکمران دلی خواہش کی تکمیل کے لیے انسانوں کا ناحق خون بہایا گیا۔[19]

اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ:

عہد ساسانی میں اسیران جنگ کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ نہیں کیا جاتا تھا۔ اور نہ ہی وہ کسی قسم کے رعایت کے مستحق تھے۔ جب عہد شاپور اول میں روم کے حکمران والیریان قید ہوا۔ تو اسے زنجیروں میں باندھا گیا۔ پھر شہر میں گھمایا گیا۔ اور عمر بھر اس سے غلاموں کی طرح کا کام لیا گیا۔ جب مر گیا تو اس کی کھال کھنچوا کر اس میں بھس بھروا دیا گیا۔ شاپور کو ذوالکتاف کے نام سے اس لیے شہرت ملی کہ اس نے بحرین اور الحساء کے عرب اسیر انِ جنگ کے شانوں میں سوراخ کر دیئے۔ پھر اس کے اندر رسیاں پرو کر کے سب کو باندھنے کا حکم دیا تھا۔[20]

بدعہدی:

دورِ ساسانی میں عہد وپیمان اور معاہدات کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ جب بھی ساسانی دیکھتے کہ مخالف قوم وریاست نازک حالت میں مبتلا ہے تو وہ معاہدات کی پرواکئے بغیر اعلان جنگ کر دیتے تھے۔ خود نوشروان جو عہد ساسانی کے بہترین حکمران تھے جو معاہدات اور عہد وپیمان کا کوئی لحاظ نہیں رکھتا۔ اس نے اپنے عہد میں جب اندرون ریاست امن کی ضرورت محسوس ہوگئی تو جسٹینین سے صلح کے معاہدے پر دستخط کر دیتے ہیں۔ لیکن جب اٹلی میں بیلی ساریوس کی فتوحات سے بازنطینیوں کی طاقت بڑھتا ہے تو نوشیروان کے اشارہ پر خیرہ کے حکمران سے غسان پر حملہ کرنے کا حکم دیتا ہے اور پھر خود حیرہ کی مدد کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے تاکہ وہ بھی اپنے حلیف غسان کی مدد کرنے کے لیے مجبور ہو۔[21]

سفراء پر ظلم وستم:

ہر عہد میں سفراء کا احترام موجود رہا، لیکن عملاً اس کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ عہد نوشیروان میں جب ویزبل ایلخانِ اَتراک کے سفیر عقد مخالفت کی تجویز لے کر آئے تو اس نے اقرار یا انکار کے صاف جواب دینے کے بجائے خاموشی سے اس کو زہر دے کر مار ڈالا۔

عہد خسرو پرویز میں جب اس نے ایشیا اور افریقی سے بازنطینی ریاست کو تقریباً بید خل کر دیا۔ شام، فلسطین، مصر اور پورا ایشائے کوچک بازنطیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اور ساسانی افواج قسطنطنیہ کے سامنے

قاضی کوئی کے مقام تک پہنچ گئی تو بازنطینی ریاست کے حکمران نے خسرو پرویز سے صلح کرنے کے لیے اپنے سفراء بھیج دیئے۔ لیکن خسرو پرویز نے سفراء کے سربراہ کی جیتے جی کھال نکلوائی اور باقی سفراء کو قید میں ڈال دیا۔[22]

مذہبی مظالم:

عہد ساسانی میں غیر مذہب رعایا کے ساتھ انتہائی سختیاں کی جاتیں تھیں۔(۵۰۱ءسے ۵۳۱ء)عہد قباد کے زمانے میں حیرہ کے بادشاہ منذر نے شام پر حملہ کر دیا تو اس نے انطاکیہ کے ۴۰۰ راہبات کو پکڑ کر کے عزیٰ کے بت کے بھینٹ چڑھادیا۔۱۰۵ خسرو پرویز نے بازنطینی حکمران ماریس کا بدلہ لینے کے بہانہ سے جنگ کا اعلان کر دیا تو اپنے ریاست کے اندر مسیحی گرجوں کو مسمار کر دیا، نذر کے اموال لوٹ لیے اور مسیحیوں کو زرتشت مذہب پر مجبور کر دیا۔[23]

۶۱۵ء میں خسرو پرویز نے بیت المقدس کو فتح کیا تو وہاں بطریق اعظم ذکریاہ کو گرفتار کر لیا،اور وہ "صلیب" جس پر مسیحیوں کے عقیدے کے مطابق جناب مسیح کو مصلوب کیا گیا تھا چھین لیا تھا۔ اس کے علاوہ سینٹ ہلینیا اور قسطنطین کے عظیم الشان گرجوں کو آگ لگادی تھی۔ تین سوسال کی جمع شدہ مذہبی اشیاء اور نذرونیاز کی چیزوں کو بھی لوٹ لیا تھا۔ تقریباً ۹۰ ہزار عیسائیوں کو قتل اور قیدی بنایا گیا تھا۔ جب قسطنطین نے مسیحیت کو سرکاری مذہب قرار دیا تو ایران میں مسیحی رعایا کے ساتھ انتہائی سختیاں کی گئیں۔۳۳۹ء میں شاپور ذُوالاکتاف نے مسیحی بشپ مارشیموں اور [24]پادریوں کو قتل کر دیا تھا اور مسیحی گرجوں اور صومعوں کو مسمار کرادیا تھا۔[25]

عہد ساسانیوں میں مذہبی فرقے مانَوِیہ ختم کرانے کے لیے بہرام حکمران نے شدید کاروائیاں کی تھیں جو سب سے زیادہ ہولناک تھیں۔ مانی نے جب مذہب زرتشت کو چھوڑ کر نیا مذہب ایجاد کیا۔ لوگ اس مذہب کو کثرت سے معتقد ہونے لگے تو بہرام نے اس کے پیروکاروں کو پکڑ پکڑ کر قتل کر دیا تھا۔ اور اس کے بانی مانی کو گرفتار کر کے قتل کرادیا تھا پھر اس کی کھال کھنچوا کر اس میں بھس بھروادیا اور پھر اس کو جندی سابور کے دروازے پر لٹکادیا۔ جس کے بعد اس دروازے کا نام باب مانی پڑ گیا۔[26]

مذہبی نظام

ساسانیوں نے زرتشت مذہب کو سرکاری مذہب قرار دے دیا تو اس سے ایرانی عوام کی فکری یک جہتی اور تائید حاصل کی۔ قبل از مذہب زرتشت ایرانیوں میں تصور وحدانیت پایا جاتا تھا۔ جسے مزدایئت کہتے ہیں۔

مزدائیت میں مزدا کسی خاص قوم یا قبیلہ کا خدا نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ تمام انسانوں کا خدا مانا جاتا تھا۔[27]

آغاز زرتشت

ساتویں صدی قبل مسیح میں آذربائیجان سے ایک شخص زرتشت اٹھا[28] اور پرانے مذہب مزدائیت میں ترمیم کرکے یا ان کا اصلاح کرکے زرتشت کو نئے مذہب کے طور پر پیش کر دیا۔ جسے مزدا پرستی یا مزدیسنا کہتے ہیں۔[29] نئے مذہب مزدیسنا نے دو عقائد کا اضافہ کیا۔ وہ دو عقائد یہ تھے۔

ا۔ ایک خالق خیر ہے۔

۲۔ دوسرا خالق شر ہے۔

نیکی اور بدی کے قوتوں کا جنگ ازل سے جاری ہے۔ زرتشت عقیدے کے مطابق نیکی اور بدی کے خالق جدا جدا ہے۔[30]

عہد زرتشت:

عہد زرتشت کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ ایرانیوں کے عقیدے کے مطابق ابراہیمؑ اور زرتشت ایک ہی شخص تھا مگر دو ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن پروفیسر براؤں نے اس دعوے کو غلط قرار دیا ہے۔ اس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مجوسیوں نے اسلامی عہد میں اس بات کو اس لیے مشہور کر دیا تاکہ وہ اپنے آپ کو اہل کتاب ظاہر کرکے مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کر سکے۔ اس وجہ سے ایرانی پرسی پوس کو تخت جمشید، مقبرہ کورش کو مرقد مادر سلیمان اور مرغاب کی وادی کی سطح چٹان کو تخت سلیمان کہتے رہے۔ لیکن اکثر محققین جن میں امریکی مستشرق ولیم جیکسن اور ایرانی محقق محمد معین اس روایت پر متفق ہیں۔ کہ زرتشت ۶۶۰ ق م میں پیدا ہوئے اور ۵۸۳ ق م میں وفات پاگئے۔[31]

مقام پیدائش :

زرتشت کے زمانے کی طرح ان کے مقام پیدائش میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔[32] ایک روایت کے مطابق وہ بلخ میں پیدا ہوئے جو ایران کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ جبکہ بعض نے اس پر مزید کہا ہے کہ وہ ارومیہ نامی ندی کے کنارے آذربائیجان کے شہر ارومیا میں پیدا ہوئے۔[33]

آغاز دعوت زرتشت:

زرتشت[34] نے اپنے مذہب کی دعوت واشاعت کا کام آذربائیجان سے شروع کیا۔ لیکن مقامی لوگ جو مزدا پرست تھے اپنے مذہب چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اور نہ کسی نے زرتشتی مذہب کو قبول کر لیا تو وہ

مایوس ہو کر بلخ چلے گئے۔ اور وہاں کے بادشاہ دشتاسپ یا گشتاسپ جو داریوش کبیر کا باپ تھا کے دربار میں حاضر ہوا۔ اور بادشاہ کے سامنے اپنا دین قبول کرنے کی پیشکش کی۔ بادشاہ نے مذہبی علماء کے ساتھ ان کا مناظرہ کروایا ۔مذہبی علماء نے جادو کے زور سے زرتشت کو ہرانا چاہا لیکن زرتشت نے ان پر غلبہ پایا۔ جس سے گشتاسپ نے ،بیوی اور بچوں سمیت زرتشت مذہب کو قبول کر لیا۔ اور زرتشت کو شاہی محل میں رہنے کی جگہ دی۔ حکمران وقت کا زرتشت مذہب قبول کرنے کی وجہ سے اس کی پرچار ہونے لگی۔ جس کی وجہ اس مذہب کو پھیلنے کا موقع ملا اور لوگوں نے اس مذہب کو قبول کرنا شروع کر دیا۔[35]

پروفیسر جیکسن کے مطابق زرتشت کو بلخ میں بڑی کامیابی ملی جہاں انہوں نے گشتاسپ کو اپنا پیرو بنالیا۔[36] ہخامنیشوں کے دور میں "گھاتا" جو زرتشت کی کتاب تھی۔ اس کے علاوہ اَوِستا کے دیگر اجزا بعد میں مدون ہوئی۔ ''گاتھا'' سے معلوم ہوتا ہے کہ زرتشت کا مقصد یہ تھا کہ وہ دین کو اپنی اصل حالت میں پیش کرے اور جو خرافات مذہب میں داخل ہو گئی تھی ان کو صاف کیا جائے۔ اس زمانے میں ساحری اور جادوگری نے جو رواج پائی تھی ان کو بھی ختم کرنا تھا۔

ایران میں قبل از زرتشت دو اصول مذہب مروج تھے۔

ایک یہ کہ دنیا ایک خاص نظام قانون رکھتی ہے۔ اور اس میں قدرتی مظاہر پائے جاتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ نور اور ظلمت کی طاقتوں میں ہمیشہ سے جنگ ہے۔

ان عقائد کے مطابق دنیا خیر اور شر کی قوتوں کا میدان جنگ ہے۔[37]

''آہورامزدہ'' مظہر خیر اور'' انگرہ'' (اَہرمَنْ) مظہر شر کے خدا ہیں۔ زرتشت عقیدہ ثنویت کا قائل تھا۔ اس لئے ایک قوت کو خدائے خیر اور دوسرے کو خدائے شر سمجھا جاتا تھا۔ اس دنیا میں جو اچھا ہے وہ سپاہ خیر اور جو برا اور بد ہے وہ سپاہ شر کا حصہ ہے ۔اس عقیدے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دنیا میں تمام موجودات۔ ان میں سے ایک قوت کا حصہ ہے۔ مگر ان قوتوں میں سے کوئی بھی اپنے مرضی سے کسی ایک قوت کا پیروکار بن سکتا ہے۔[38]

ایک اچھے زرتشتی کے لئے درج ذیل اصول یہ تھے۔

ا۔ کہ وہ آہورامزدہ کے علم کو بلند کرے۔

۲۔ پندار نیک، گفتار نیک اور اچھے کردار کو ہی اچھا اخلاق کی بنیاد قرار دیا گیا۔

۳۔ آبادکاریاں یعنی بستیاں تعمیر کرے۔

۴۔ کاشت کاری کے لئے بنجر زمین کو قابل کاشت بنائے۔
۵۔ گھریلو جانوروں کی تربیت کرے۔
۶۔ عناصر کی پرستش کرے۔
۷۔ لشکر اَہر مَن سے جنگ کرے۔

جو شخص جتنی آہورامزدہ کے احکامات پر عامل ہوگا وہ اتنا ہی اس کے قریب ہوگا۔ عقیدہ زرتشت کے مطابق خیر وشر کے درمیان یہ جنگ قیامت تک جاری رہے گی۔ اور آخرکار آہورامزدہ کا لشکر اہرمن کی لشکر کو مغلوب کرے گا جس کے نتیجے میں "خیر" کے مقابلے میں "شر" ختم ہوجائے گا۔

زرتشت عقیدہ بقائے روح کا قائل تھا۔ ان کے عقائد کے مطابق نیکوکاروں کی ارواح جنت میں جب کہ بدکاروں کی ارواح دوزخ میں جائے گی۔[39]

زرتشت مذہب میں عناصر طبعی کی عبادت اس کی بنیادی اصول رہی۔ کہ وہ آگ، پانی اور مٹی کو آلودہ کرنے سے پرہیز کرتے۔ پانی کو چھونا گناہ تھا۔ البتہ پینے یا پودوں کو دینے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان عناصر میں آگ کا رتبہ اور مقام سب سے بلند تھا۔ اوستا کے مطابق آگ کی پانچ اقسام ہیں۔

۱۔ برزہ سواہ: (آتش بہرام) آتش کدوں والی آگ
۲۔ وہوفریان: وہ آگ جو انسانی اور حیوانات کے جسموں میں موجود ہو
۳۔ اروازشت: وہ آگ جو درختوں میں موجود ہے
۴۔ وازشت: بادلوں کی آگ
۵۔ سپنشت: یہ آگ بہشت میں آہورامزدا کے سامنے جلتی ہے۔

اس آگ کا مظہر یہ ہے کہ ایرانی بادشاہوں کا جاہ وجلال ہے جو ان کے ارد گرد ہالے کی شکل میں دائمی موجود ہوتا ہے۔ اسی کو فارسی میں "فر" کہتے ہیں۔ یہی فرکیانی بادشاہوں میں نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی تھی۔ شاہی نسل نہ ہونے کی وجہ سے کوئی فرد اس کا حق دار نہ ہوتا۔[40]

ان آتشکدوں میں ہیربدون اوقات پنجگانہ کی دعائیں مانگتے تھے۔ مذہبی احکام پر عمل کرتے تھے۔ یہ مذہبی احکام سالانہ چھ تہواروں کے موقعوں پر خالص قسم کی شکل اختیار کر جاتے جن کو "گاہان بار" کہتے تھے۔ ان تہواروں کو سال کے مختلف موسموں میں منائے جاتے تھے۔ یوں تو آتش کدے اکثر جگہ ہوتے تھے۔ لیکن حرمت اور تعظیم کے لحاظ سے تین مشہور آتش کدے یہ تھے۔

(۱)آذر فربگ

(۲)آذر گشنسپ

(۳)آذر برزیں

مذکورہ آتش کدے معاشرے کے خاص طبقات کے لئے مختص تھے۔آذر فربگ یہ مذہبی علماء کے لئے تھااور صوبہ فارس میں واقع تھا۔آذر گشنسپ یہ شاہی آتشکدہ تھاجو صوبہ آذربائیجان کے شہر گنجک(شیز)میں واقع تھا۔آذر برزیں جو کسانوں اور زمینداروں کے لئے مخصوص تھا۔جو نیشاپور کے شمال مغرب کوہستان الوند کے مقام پر واقع تھا۔[41]

اوستا:

یہ زرتشتی مذہب کی بنیادی کتاب ہے۔اس کتاب کی زبان قدیم ایرانی مذہبی زبان ہے۔زبان اوستاکا رسم الخط بھی خط اوستا کہلاتا ہے۔[42]

یہ سامی رسم الخط سے لیا گیا ہے۔اس رسم الخط میں ۴۲ حروف ہیں اور یہ رسم الخط دائیں سے بائیں طرف لکھا جاتا تھا۔ موجودہ "اوستا" کتاب ہخامنشیوں کے دور کی نہیں ہے کیوں کہ سکندر اعظم نے جب ایرانیوں کو شکست دی تو شاہی محلات کو بھی آگ لگادی۔جس میں " اوستا" جو شاہی کتب خانہ میں موجود تھا بھی جل گیا۔اور" اوستا" کے جلانے سے بھی سکندر اعظم کی تسلی نہ ہوئی تو ان موبدوں کو بھی قتل کرادیا جن " اوستا" زبانی یاد تھی۔[43]

اہل ایران کے قول کے مطابق "اوستا" سکندر اعظم کے حملے کے بعد ختم ہو چکی تھی۔اور ایک صدی کے بعد باقی اثرات بھی مٹ چکے تھے۔لیکن بلاش اول کے زمانے میں "کتاب اوستا" کو از سر نو مرتب کرنے اور "زبان اوستا" کو زندہ کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اس کتاب کی تالیف اردشیر بن بابکان کے عہد میں مکمل ہوئی۔[44]

بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ اصل اوستا(کتاب) میں ایک طویل عرصے اور ناپیداری کی وجہ سے اس میں ردوبدل ہوئی ہوگی۔ لیکن "اوستا" گاتھااور مقدس سرود جو یاسنا میں موجود ہیں۔اپنی ترکیب اور طرز کے لحاظ سے اسی زمانے کے لگتے ہیں۔[45] "گاتھا" نہ صرف قدیم ہے بلکہ اصل زرتشت کے زبان میں ہے۔[46] اوستاکتاب بہت ضخیم تھی جو تقریباً بارہ ہزار اوراق پر مشتمل تھیں۔[47] اور اس پر سونے کی چڑھائی کی گئ تھی۔عوام کے فہم کے لئے مجوسی علماء نے "ژند" کے نام سے تفسیر لکھی۔اور پھر اس کی تفسیر کے لئے

"پاژند" کے نام سے تفسیر لکھی گئی۔ لیکن پھر بھی اصل کتاب کی قرأت پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے چند مقامات سے اسے پڑھایا گیا۔ اور تین سو سال بعد صرف ایک شخص سجستانی نے اس کو زبانی یاد کیا تھا۔[48]

اوستا کے ۲۱ ابواب (نسک) تھے۔ اور یہ ابواب (نسک) تین حصوں میں تھے۔

ایک گاسانیک "گھاتھا" کا حصہ جو سترہ سرود پر مشتمل تھا یہ مذہبی احکام اور مناجاتوں پر مشتمل تھا۔

جب کہ اسی میں زرتشت کے اپنے اقوال موجود تھے۔

دوسرا ہاتک مان سریک جس میں مذہبی فلسفہ بیان کیا گیا تھا۔

تیسرا داتیک جس میں زیادہ تر قوانین معاشرت تھے۔[49]

موجودہ اوستا صرف پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔

(۱) یاسنا (۲) وسپیرید (۳) وندیداد (۴) یشت (۵) خُردَاوستا۔

ان تمام حصوں میں آہورامزدا کی صفات اور شکر گزاری کے ساتھ فرشتوں کی پاکیزگی بھی بیان کی گئی۔

ان میں ایک طرف پاکیزہ خیالات، سچائی، درستکاری کی تلقین گی ہے اور دوسری طرف دیووں اور اہرمنوں کے مذمت کے ساتھ جھوٹ، خیانت، دھوکا اور فریب کی برائی بیان کی گئی ہے۔[50]

علمائے زرتشت کی طبقات :

ان میں کئی طبقات تھے جن کے ذمے مختلف ذمہ داریاں تھیں۔

۱۔ دادور: زرتشتی علماء میں اس طبقے کا کام مقدمات، معاملات، فیصلے اور تصفیے کرانا تھے۔ جن کو "جماعت قضاۃ" بھی کہتے تھے۔

۲۔ موبد: اس طبقے کے ذمے تبلیغ مذہب تھا۔ اس کے سربراہ کو "موبدان موبد" کہتے تھے۔

۳۔ ہیربذ: اس طبقے کا کام آتشکدوں کی دیکھ بھال کرنا تھا۔ یہ طبقہ موبد کے ماتحت ہوتا تھا۔

۴۔ مغ: یہ طبقہ علماء میں سب سے نچلے تھا۔ مغوں کے سربراہ کو مغ مغاں کہتے تھے۔ ان مذکورہ مذہبی طبقوں میں معاشرے کا کوئی دوسرا طبقہ شامل نہیں ہو سکتا تھا۔[51]

مذہبی علماء بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ ان علماء کے سربراہ کو "موبدان موبد" جس کو بادشاہ خود منتخب کرتا تھا۔ بادشاہ کے سر پر تاج رکھنے کا فرض بھی یہی طبقہ ادا کرتا تھا۔ یہ علماء عوام کی طرف سے ملنے والی امداد، نذرانوں اور تحفوں سے مالدار ہو گئے تھے۔

ان علماء کی ذمہ داری تھی۔ کہ آتش کدوں میں مقدس آگ نہ بجھنے دیں اور ولادت، وفات شادی اور دیگر

تقریبات کے موقع پر فرائضِ مذہبی انجام دیتا تھا اس کے علاوہ لوگوں کو تعلیم دینے کی ذمہ داری بھی اسی طبقے کے ذمے تھی۔ مذہبی طبقے کو سیاسی آزادی حاصل تھی۔ یہ طبقہ جاگیر دار امراء کے ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ اگر کسی بادشاہ کو ناپسند یا ضعیف پاتے تو یہ طبقے جاگیر دار امراء کے ساتھ مل کر ان کو تخت سے اتار دیتے تھے۔[52] یہ مذہبی طبقہ دنیاوی اور سیاسی اقتدار کو مذہبی رنگ دیتے اور ہر شخص کی زندگی میں دخل دے سکتے تھے۔ اہل ایران کے نزدیک کوئی چیز اس وقت تک قابل قبول نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ علمائے مذہب اس کا فتوی جاری نہ کرتے۔[53]

حوالہ جات

[1] Sykes, Sirpercy, A History of persia, vol 1,pg 463
[2] Muhammad Hayat, tarikh e Iran e Qadim, p. 81
[3] Ghulam Sarwar, , tarikh e Iran e Qadim, p. 179
[4] Ghulam Sarwar, , tarikh e Iran e Qadim, p. 179
[5] Badakhshani, Maqbool Baig, tarikh e Iran e Qadim, v.1 , p. 545
[6] Ibid
[7] Kristen sean, Iran ba ahad Sasania, p. 273
[8] Kristen sean, Iran ba ahad Sasania, p. 275
[9] Badakhshani, Maqbol Baig, Tarikh e Iran, v.1 , pp. 544.
[10] Ibn e Sir, al kamil fi al tarikh , v1, pp. 73
[11] Ibn e Iran, v1, pp. 547
[12] Kristen sean, Iran ba ahad Sasania, p. 277
[13] Ghulam Sarwar, , tarikh e Iran e Qadim, p. 179
[14] Ibid, pp. 180
[15] Kristen sean, Iran ba ahad Sasania, p. 272
[16] Ibid, pp. 27
17 Ibid
18 ibid
19 Sykes,Sirpercy, History of persia, vol.1, p 481
20 ibdi
21 https://en.wikipedia.org/wiki/Sasanian_Empire
22 Sykes,Sirpercy, History of persia, vol.1, p 483
23 Ibdi , 282
24 Islamic encycolopeadia,sasanids P.79
25 Sykes,History of Persia,vol.1.p.448
26 Islamic encycolopeadia,sasanids P.73
27 Al masoodi, morawaj al zahab, v1, pp. 99

Zaehner.R.C Zurvan , A Zoroastrian Dilemma, Oxford at the clarendon press 1955, p.7./https://en.wikipedia.org/wiki/Sasanian_Empire#Religion
28 http://www.Zoroaster persian prophet.com
29 Aabri, A J , Mirath e Iran, pp. 403
30 http://www.britannica.com/../ Zoroaster…
Gibbon,Edward,The Dicline and fall of the Roman,Penguin books limited London, vol 1,P.172,173
31 Muhammad Hayat, tarikh e Iran e Qadim, pp. 84
32 Edward, Brown, Tarikh e adbiat e Iran, pp. 147
33 Badakhshani, Maqbool Baig, tarikh e Iran e Qadim, v.1 , p. 545
34 Khaldon, tarikh ibn e khaldon, v. 2, pp. 154-157
35 Maskawiay, Ahmad bin Muhammad bin Yaqub, Abu Ali,tijarat al umam wa ta'qub al humam, juz 7, pp. 48, Tihran, 200.
36 Edward, Brown, Tarikh e adbiat e Iran, pp. 147
37 William James, qissa al hazarat, pp. 201, translation Dr. Zakinjat, Darul Jail, Beirut
38 Al masoodi, morawaj al zahab, v1, pp. 99
39 Olmstead, History of Perian Empire.p.96
40 Kristen sean, Iran ba ahad Sasania, p. 277
41 Badakhshani, Maqbool Baig, tarikh e Iran e Qadim, v.1 , p. 321
42 Badakhshani, Maqbool Baig, tarikh e Iran e Qadim, v.1 , p. 582,583
43 http://www.avesta.org
44 Gobbon,Edward,The Decline and fall of the Roman Empire,penguin books limited london,vol 1, P.171
Badakhshani, Maqbool Baig, tarikh e Iran e Qadim, v.1 , p. 322
45 Gobbon,Edward,The Decline and fall of the Roman Empire,penguin books limited london,vol 1, P.171
46 bidI
47 Edward, Brown, Tarikh e adbiat e Iran, pp. 147
48 Badakhshani, Maqbool Baig, tarikh e Iran e Qadim, v.1 , p. 321
49 Al masoodi, morawaj al zahab, v1, pp. 99
50 Edward, Brown, Tarikh e adbiat e Iran, pp. 147
51 Ghulam Sarwar, , tarikh e Iran e Qadim, p. 179
52 Badakhshani, Maqbool Baig, tarikh e Iran e Qadim, v.1 , p. 582,583
53 Kristen sean, Iran ba ahad Sasania, p. 277